شرعی طلاق

ایک تحقیقی جائزہ

شیخ الحدیث
حافظ عبدالعزیز علوی حفظہ اللہ
(جامعہ سلفیہ)

اسلام دینِ فطرت ہے۔ جسے خالقِ فطرت نے اتارا ہے۔ اسی لیے اس میں انسانی جذبات واحساسات اور طبعی ضروریات وحوائج کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر طور پر یہ سمجھ سکتا ہے کہ انسان کی فطرت کے مطابق کون سے اصول وضوابط متعین کیے جائیں جن سے انسان دنیا میں اچھے طریقہ سے زندگی بسر کر سکے اور آخرت میں فوز وفلاح سے ہمکنار ہو سکے۔

﴿الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر﴾ (الملک:۱۴)

''کیا جس نے پیدا کیا ہے' وہ جانتا نہیں ہے وہ تو انتہائی باریک بین اور باخبر ہے۔''

انسان کی طبعی ضروریات میں سے ایک شدید ضرورت نکاح کی ہے۔ کہ اس کے بغیر نسلِ انسانی کے توالد وتناسل کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لیے نکاح محض ایک دینی واخلاقی فریضہ ہی نہیں بلکہ یہ انسانی معاشرہ و تمدن کی بنیاد واساس بھی ہے اور اسی پر اس کے قیام وبقا کا دارومدار ہے۔

اسلام نکاح کے ذریعہ مرد وعورت کے درمیان باہمی اتفاق واتحاد' رفاقت ویگانگت' تعاون وتناصر اور محبت و مودت پیدا کر کے تمدن ومعاشرہ اور خاندان کی مضبوط تعمیر چاہتا ہے کیونکہ مرد وعورت کے تعلق و رابطہ کی درستی و استواری پر خاندان واولاد کی درستی وبہتری کا انحصار ہے اور کنبہ و خاندان ہی ایک ایسی اکائی ہے' جس پر تمدن و معاشرہ کی درستی کا مدار ہے' اس لیے قرآن مجید نے زوجین کے تعلقات کو اجتماعی زندگی کے لیے اساسی وبنیادی اہمیت دی ہے اور انہیں خوشگوار رکھنے کی پرزور تلقین وتاکید فرمائی ہے اور یہ ہدایت دی ہے کہ ان تعلقات کو رحمت ومودت' عدل وانصاف' ایثار وفیاضی کے ساتھ خوشگوار بنانے کی پوری پوری کوشش کی جائے اور یہ کوشش پیہم ومسلسل جاری رہنی چاہیے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتنی چاہیے۔ کیونکہ انہی تعلقات کی استواری وخوشگواری پر معاشرے کا استحکام' سدھار' نشوونما اور ترقی کا دارومدار ہے۔

لیکن بعض اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں' جب شوہر یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میرا اپنی بیوی کے ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے' تو پھر وہ علیحدگی اختیار کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں قرآن ان الفاظ میں ہدایت فرماتا ہے:

﴿عاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسٰی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا﴾ (سورۃ النساء:۱۹)

''ان عورتوں کے ساتھ اچھی طرح زندگی گزارو' اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند نہ کرو مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔''

اسی طرح اس آیت میں شوہر کو یہ تلقین وہدایت کی ہے اگر عورت تمہیں کسی وجہ سے پسند نہیں ہے' وہ خوبصورت نہیں یا اس میں کوئی اور نقص ہے تو صبر وتحمل سے کام لو۔ فوراً دل برداشتہ ہو کر اس کو چھوڑ نہ دو۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وان امرأۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر واحضرت الانفس الشح﴾ (سورۃ النساء:۱۲۸)

''اگر کسی عورت کو شوہر سے بیزاری یا بے پروائی کا اندیشہ ہو تو اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ دونوں آپس میں سمجھوتہ کر لیں اور سمجھوتہ ہی بہتر ہے۔ طبیعتوں میں حرص رچی بسی ہوئی ہے۔''

اس آیت میں عورت کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اگر عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے یہ اندیشہ ہو کہ (حق مہر نان ونفقہ اور عدل وانصاف کے حق شرعی کا مطالبہ پر) وہ اس کو چھوڑ دے گا یا اس سے بے پروائی برتے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ دونوں مل کر آپس میں کوئی سمجھوتہ کر لیں اور عورت اپنے حق مہر' عدل وانصاف اور نان ونفقہ کے معاملہ میں ایسی مراعات شوہر کو دے دے کہ قطع تعلق کا اندیشہ رفع ہو جائے۔ فرمایا کہ صلح وصفائی اور سمجھوتے ہی میں بہتری ہے کیونکہ میاں بیوی کا رشتہ وتعلق ایک مرتبہ قائم ہو جائے تو فریقین کی بہتری اور فلاح اسی میں ہے کہ یہ قائم ہی رہے۔ اگرچہ اس کے لیے کتنا ہی ایثار کرنا پڑے۔ فرمایا کہ حرص طبائع کی عام کمزوری ہے۔ جو باہمی تعلقات پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ دونوں فریق ایثار پر آمادہ ہوں اور اگر ایک فریق آمادہ نہیں تو دوسرا فریق قربانی پر آمادہ ہو جائے۔

غرض رشتہ نکاح کو برقرار رکھنے کے لیے اگر عورت کو قربانی بھی دینی پڑے تو بہتری اس کے قائم ودائم رہنے ہی میں ہے۔ لیکن اگر اختلاف کی خلیج بہت وسیع ہے اور تعلقات اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ آپس میں صلح وصفائی کا امکان بہت کم ہے تو پھر شریعت مرد کو یہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ بیوی کو طلاق دے کر اس سے پیچھا چھڑا لے۔ بلکہ اصلاحِ احوال کے لیے قرآن ایک اور ہدایت دیتا ہے۔ یہ ہدایت میاں بیوی کے قبیلہ' برادری اور ان کے

رشتہ داروں اور خیر خواہوں کو دی گئی ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر اس بگاڑ کی اصلاح کی کوشش کریں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما ان الله کان علیماً خبیرا﴾ (سورۃ النساء:۳۵)

اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے خاندان میں سے اور ایک حکم عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں (زوجین کے حکم) اصلاح کے طالب ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان سازگاری کی صورت پیدا کر دے گا۔ بیشک اللہ علیم وخبیر ہے۔

بسا اوقات فریقین جو جھگڑے خود طے کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے، دوسرے خیر خواہوں کی مداخلت سے وہ طے ہو جاتے ہیں۔ فریقین کو ان کی غیر جانبداری اور خیر خواہی کا احترام بھی کرنا پڑتا ہے اور بے جا ضد پر دوسروں کی ملامت کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر حالات اس قدر بگڑ گئے ہیں کہ اب زوجین میں نباہ کی یہ صورت بھی کارگر نہیں ہو رہی تو پھر آخری صورت رہ جاتی ہے کہ خاوند بیوی کو طلاق دے دے۔

لیکن اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لیے اس نے یہاں بھی افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ عیسائیوں اور ہندوؤں کی طرح یہ پابندی بھی عائد نہیں کی کہ جب یہ رشتہ ایک دفعہ قائم ہو گیا ہے تو اس کو توڑا نہیں جا سکتا اور نہ دورِ جاہلیت کی طرح شوہر کو اس بات کی کھلی چھٹی دی گئی ہے کہ وہ عورت کو تنگ کرنے کے لیے جس قدر چاہے طلاقیں دیتا رہے اور رجوع کرتا رہے۔

مفسر کبیر امام ابن جریر دورِ جاہلیت کے رواج کے بارے میں لکھتے ہیں مرد جتنی بار چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا، کوئی پابندی نہ تھی اور ہر بار عدت گزارنے سے پہلے رجوع کر لیتا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے اپنی بیوی سے کہا ﴿لا اقربک ولا تحلین منی﴾ ''میں نہ تمہارے نزدیک جاؤں گا اور نہ تو مجھ سے آزاد ہو سکے گی۔'' اس کی بیوی نے پوچھا یہ کیسے؟ اس نے جواب دیا: ﴿اطلقک حتی اذا دنا اجلک راجعتک ثم اطلقک فاذا دنا اجلک راجعتک﴾

''میں تجھے طلاق دوں گا جب عدت پوری ہونے کے قریب ہوگی تو میں رجوع کر لوں گا، پھر طلاق دوں گا اور پھر عدت گزرنے کے قریب ہوگی تو رجوع کر لوں گا۔''

(جامع البیان فی تفسیر القرآن ج ۲، صفحہ ۲۵۸، موطا امام مالک صفحہ: ۲۱۵، سنن ترمذی حدیث: ۱۱۹۲)

اسلام نے طلاق کو محدود کر دیا اور طلاق دینے کا طریقہ بتا دیا۔

طلاق دینے کا اسلامی طریقہ

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یاایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة﴾ (سورۃ طلاق:۱)

''اے نبی! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو انہیں عدت کے حساب سے طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔''

یعنی تم لوگ طلاق دینے کے معاملہ میں جلد بازی نہ کیا کرو۔ کہ جونہی میاں بیوی میں جھگڑا ہوا، فوراً غصے میں آ کر طلاق دے ڈالی اور نکاح کا جھٹکا کر دیا، بلکہ جب تمہیں بیویوں کو طلاق دینا ہو تو ان کی عدت کے لیے دیا کرو۔ عدت کے لیے طلاق دینے کے دو مطلب ہیں: (۱) ایک مطلب یہ ہے کہ عدت کا آغاز کرنے کے لیے طلاق دو، یا بالفاظِ دیگر اس وقت طلاق دو جس سے ان کی عدت شروع ہوتی ہو، یعنی حیض میں طلاق نہ دو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ کہ طلاق دینا ہو تو عدت کے لیے طلاق دو اور بیک وقت تین طلاق دے کر جھٹکا نہ کرو۔

﴿طلقوهن لعدتهن﴾ کے یہی معنی اکابر مفسرین نے مراد لیے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں:

﴿لا یطلقها وهی حائض ولا فی طهر قد جامعها فیه ولکن یترکها حتی اذا حاضت وطهرت طلقها تطلیقة فان کانت تحیض فعدتها ثلاث حیض وان کانت لا تحیض فعدتها ثلاثة اشهر وان کانت حاملة فعدتها ان تضع حملها﴾ (سورۃ طلاق:۱، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر)

یعنی حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق نہ دے اور نہ ایسے لمحہ میں طلاق دے جس میں تعلقات قائم کر چکا ہے، اسے چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو اسے ایک طلاق دے۔ پھر اگر اسے حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین حیض ہوگی۔ اگر حیض نہ آتا ہو تو عدت تین ماہ ہوگی اور اگر وہ حاملہ ہو تو عدت وضع حمل ہوگی۔

عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عطاء، مجاہد، میمون بن مہران، مقاتل بن حیان، ضحاک، عکرمہ، حسن بصری اور ابن سیرین وغیرہم سے اس مفہوم کے اقوال مروی ہیں۔ (سورۃ طلاق: تفسیر ابن جریر، ابن کثیر)

اس آیت کی تفسیر سورۃ بقرہ کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان﴾ (سورۃ بقرہ:۲۲۹)

طلاق یکے بعد دیگرے ہے اور طلاق دینے کے بعد یا تو معروف طریقہ کے مطابق عورت کو روک لینا ہے یا اچھے طریقہ سے چھوڑ دینا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں طلاق دینے کا یہ طریقہ بیان کیا ہے کہ طلاق ایک وقت میں ایک ہی دینی چاہیے۔ اگر طلاق دینے کے بعد خاوند کی نیت رجوع کی ہو تو وہ عدت کے اندر اندر رجوع کرے۔ اگر دوبارہ اس سے تعلقات قائم کرنے کی نیت نہ ہو، محض اس کو تنگ کرنے کے لیے

رجوع نہ کرے بلکہ عدت کو ختم ہونے دے تاکہ وہ اور کہیں نکاح کر سکے۔ آیت ۲۳۱ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

﴿واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او سرحوهن بمعروف ولا تمسكوهن ضرارا لتعتدوا ومن يفعل ذالك فقد ظلم نفسه ولا تتخذوا ايت الله هزوا.﴾ (البقرہ:۲۳۱)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے لگے تو انہیں اچھے طریقہ سے اپنے نکاح میں روک لو یا دستور کے مطابق انہیں رخصت کر دو اور تم ان کو نقصان پہنچانے کی غرض سے نہ روکو کہ تم حد دد سے تجاوز کرو اور جو ایسا کرے گا تو وہ اپنی ہی جان پر ظلم ڈھائے گا اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ۔''

اس آیت نے دستور کے مطابق روکنے کی وضاحت کر دی ہے اور ساتھ ہی یہ تصریح کر دی ہے کہ شریعت کے مقرر کردہ طریقہ کی مخالفت کرنا درحقیقت حدود الٰہی سے تجاوز کرنا اور آیاتِ الٰہیہ کو مذاق بنانا ہے۔ اس لیے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دی ہیں' تو آپ غیظ وغضب کے عالم میں کھڑے ہوئے اور فرمایا:

﴿أيلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم﴾

''کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے۔''

اگر ذہنی تحفظات اور مسلکی تعصب سے بالاتر ہو کر اس آیت پر غور کیا جائے تو اس سے یہی مطلب سمجھ میں آئے گا کہ طلاق ایک وقت میں ایک دینی چاہئے اور مختلف مکاتب فکر کے کبار علماء سے بھی یہی معنی منقول ہیں۔ امام ابوبکر جصاص حنفی فرماتے ہیں:

﴿والدليل على ان المقصد فيه الامر بتفريق الطلاق وبيان حكم ما يتعلق ما دون الثلاث من الرجعة انه قال الطلاق مرتان وذلك يقتضي التفريق لا محالة فانه ان طلق اثنتين معا لما جاز ان يقال طلقها مرتين وكذالك لو دفع رجل الى اخر درهمين لم يجز ان يقال اعطاه مرتين حتى يفرق الدفع﴾ (احکام القرآن' ج:۱' ص:۲۴۴)

''اس بات کی دلیل ہے کہ اس آیت میں طلاق کو الگ الگ دینے کا حکم اور تینوں طلاقوں سے کم طلاقوں کے واقع کرنے سے متعلق حکم رجعت بیان کرنا مقصود ہے۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''طلاق دو بار ہے'' اور اس کا تقاضا لامحالہ یہ ہے کہ طلاق الگ الگ دی جائے۔ کیونکہ اگر اس نے اکٹھی دو طلاقیں دیں تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس نے دو بار طلاق دی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی کو دو درہم دیئے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اس نے دو بار دیئے۔ حتیٰ کہ الگ الگ دے۔''

علامہ ابن حیان نے بھی بحر المحیط میں اس سے ملتے جلتے الفاظ لکھے ہیں

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

﴿الطلاق بمعنى التطليق كالسلام بمعنى التسليم اى التطليق الشرعي تطليقة بعد التطليقة على التفريق دون الجمع و الارسال دفعة واحدة ولم يرد مرتين الثنية ولكن التكرير كقوله ثم ارجع البصر كرتين اى كرة بعد كرة لا كرتين ثنتين﴾ (کشاف' ج:۱' آیت الطلاق مرتان)

طلاق' تطلیق (طلاق دینے) کے معنی میں ہے۔ جیسے سلام' تسلیم (سلام کرنے) کے معنی میں ہے۔ یعنی شرعی طلاق یہ ہے کہ طلاق دینے کے بعد طلاق دی جائے الگ الگ۔ نہ کہ ایک ساتھ اور ایک ہی بار میں اور مرتین سے مقصود تثنیہ (دو) نہیں بلکہ تکرار ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ فرمان ہے (آنکھ کو بار بار لوٹاؤ) یعنی ایک بار کے بعد ایک بار کر تین سے دو مراد نہیں۔

علامہ سندھی حنفی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں علامہ زمخشری والے الفاظ نقل کیے ہیں۔ (حاشیہ سنن نسائی' ج:۲' ص:۸۱)

قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

﴿كان القياس ان لا تكون الطلقتان المجتمعتان معتبرة شرعا واذا لم تكن الطلقتان المجتمعان معتبرة لم يكن الثلاث المجتمعة معتبرة بالطريق الاولى لوجودهما مع زيادة﴾

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مجموعی طور پر دی گئی دو طلاقیں شرعاً معتبر نہ ہوں گی اور جب دو اکٹھی معتبر نہیں تو تین طلاقیں اکٹھی بدرجہ اولیٰ معتبر نہ ہوں گی۔ کیونکہ وہ دونوں ایک سے زائد کے ساتھ تین کے اندر موجود ہیں۔ قاضی صاحب آگے بطور خلاصہ لکھتے ہیں ﴿ان جمع الطلقتين او ثلاث تطليقات بلفظ واحد او بالفاظ مختلفة في طهر واحد حرام بدعة مؤثم﴾ (ص:۲۷۸)

دو یا تین طلاقیں اکٹھی دینا ایک لفظ سے یا مختلف الفاظ سے ایک طہر میں حرام' بدعت اور گناہ کا باعث ہے۔

امام رازی شافعی اپنی تفسیر مفاتیح الغیب ج:۲' ص:۲۶۰ طبع اولیٰ میں لکھتے ہیں:

﴿قال قوم انه حكم مبتدأ ومعناه ان التطليق الشرعي يجب ان يكون تطليق بعد تطليقة على التفريق دون الجمع والارسال دفعة واحدة هو قول من قال الجمع بين الثلاث حرام و زعم ابوزيد الد بوسي في الاسرار ان هذا هو قول عمر و عثمان و علي و عبدالله بن مسعود و عبدالله بن عباس و عبدالله بن عمر و عمران بن حصين و ابي موسى الاشعري و ابي الدرداء وحذيفة﴾

ایک گروہ نے کہا یہاں سے نئے حکم کا آغاز ہو رہا ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ طلاق شرعی کے لیے ضروری ہے کہ طلاق دینے کے بعد طلاق دے الگ الگ۔ نہ کہ ایک ساتھ ایک دم ایک ہی بار میں اور یہی تفسیر ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں تین طلاقیں اکٹھی دینا حرام ہے اور ابوزید دبوسی نے (جو ایک حنفی جلیل القدر امام ہیں) اپنی کتاب اسرار میں دعوی کیا ہے کہ یہی قول ہے عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عمران بن حصین، ابوموسیٰ اشعری اور حذیفہ رضی اللہ عنہم کا۔"

ابوبصاص حنفی احادیث و آثار صحابہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

﴿فقد ثبت من هؤلاء الصحابة حظر جمع الثلاث ولا يروى عن احد من الصحابة خلافه فصار اجماعا﴾ (احکام القرآن ج:۱، ص:۴۵۳)

ان صحابہ سے تین طلاق بیک وقت دینے کی حرمت ثابت ہوئی اور کسی صحابی سے اس کے خلاف مروی نہیں تو گویا اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔

امام رازی اسی صفحہ پر آگے جا کر لکھتے ہیں:

﴿اختار كثير من علماء الدين انه لو طلقها اثنين او ثلاثا لا يقع الا الواحدة وهذا القول هو الاقيس لان النهي يدل على اشتمال المنهي عنه على مفسدة راجحة والقول بالوقوع سعي في ادخال تلك المفسدة في الوجود وانه غير جائز فوجب ان يحكم بعدم الوقوع﴾

بہت سے علمائے دین نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ اگر خاوند دو یا تین اکٹھی طلاقیں دے دے تو صرف ایک طلاق ہو گی اور زیادہ قرین قیاس یہی مسلک ہے۔ کیونکہ نہی اس بات پر دال ہے کہ جس چیز سے روکا گیا ہے، اس میں کوئی بڑی خرابی ہے اور تین کے وقوع کا قول اس مفسد و خرابی کو پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ تین کے وقوع کا حکم نہ لگایا جائے۔

صحابہ کرام اور مفسرین عظام کے اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ طلاق کا صحیح طریقہ جس کی شریعت اجازت دیتی ہے، یہی ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی طلاق دی جائے۔ اس لیے علمائے احناف کے نزدیک طلاق احسن یہ ہے کہ شوہر اپنی زوجہ مدخولہ کو ایسے طہر میں جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو اور نہ اس طہر سے قبل حیض میں طلاق دی ہو۔ ایک طلاق رجعی دے، پھر اس کو چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے یا اگر حاملہ ہو تو وضع حمل ہو جائے۔ (بدائع صنائع امام کاسانی ج:۳، بحوالہ مجموعہ قوانین اسلام ج:۲، ص:۳۶۲، احکام القرآن ج:۱، ص۴۴۹)

امام محمد فرماتے ہیں:

﴿طلاق السنة ان يطلقها لقبل عدتها طاهراً من غير جماع حين تطهر من حيضها قبل ان يجامعها﴾ (مؤطاء امام محمد، کتاب الطلاق)

سنت طلاق یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو آغاز عدت کے لیے طلاق دے جبکہ وہ حیض سے پاک ہو اور اس نے اس سے تعلقات قائم نہ کیے ہوں۔

امام مالک فرماتے ہیں:

﴿لا اعرف طلاق السنة الا ان يطلقها واحدة ويتركها حتى تنقضي عدتها﴾

میرے نزدیک طلاق سنت صرف یہی ہے کہ بیوی کو ایک طلاق دے اور پھر اس کو چھوڑ دے تاکہ اس کی عدت ختم ہو جائے۔ (مجموعہ قوانین اسلام ج:۲، ص:۳۶۵)

احکام القرآن صفحہ ۴۴۹ میں ہے:

﴿قال مالک والماجشون والليث والحسن بن صالح والاوزاعي طلاق السنة ان يطلقها في طهر قبل الجماع تطليقة واحدة﴾

مالک، ماجشون، لیث، حسن بن صالح اور اوزاعی کہتے ہیں، طلاق سنت یہ ہے کہ حالت طہر میں تعلقات سے قبل ایک طلاق دے۔

اور بقول ابن رشد سنت طلاق کے لیے ضروری ہے کہ ﴿ان لا يتبعها في العدة طلاقا آخر﴾ کہ عدت کے اندر اور طلاق نہ دے۔ (بدایۃ المجتہد ج:۲، ص:۶۳)

بلکہ ابن رشد لکھتے ہیں ﴿اجمع العلماء على ان المطلق للسنة في المدخول بها هو الذي يطلق امرأته في طهر لم يمسها فيه طلقة واحدة﴾ (ج:۲، ص:۶۳)

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سنت کے مطابق طلاق دینے والا وہی ہے جو اپنی مدخولہ بیوی کو ایسے طہر میں ایک طلاق دے، جس میں اس نے اس سے تعلقات قائم نہیں کیے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمام علمائے امت کے نزدیک طلاق کا شرعی طریقہ یہی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایسے طہر میں جس میں تعلقات قائم نہ کیے ہوں۔ ایک طلاق رجعی دے اور عورت کو تین حیض کی مدت تک چھوڑ دے اس میں مزید طلاق نہ دے اور پھر اس کی مرضی ہے کہ وہ عدت کے اندر رجوع کرے یا عدت گزرنے دے۔

ہم افراط و تفریط سے بچتے ہوئے راہ اعتدال اختیار کرتے ہیں کہ اس طرح صرف ایک ہی طلاق واقع ہو گی اور اس کی حسب ذیل وجوہ اور دلائل ہیں۔

۱۔ طلاق ایک مجبوری ہے، جس سے ناگزیر حالات میں ہی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

﴿ابغض الحلال الى الله الطلاق﴾

کہ طلاق جائز ہونے کے باوجود اللہ کے ہاں ناپسندیدہ چیز ہے۔ ہدایہ اولین، ج:۲، ص:۳۵۵ میں ہے ﴿الاصل في الطلاق الحظر﴾ طلاق دراصل ممنوع چیز ہے۔ ﴿والاباحة للحاجة الى الخلاص﴾ اور

اس کو مباح ضرورت کے لیے کیا گیا ہے کہ اس کے بغیر بیوی سے خلاصی ممکن نہیں۔اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے ﴿الضرورات تبیح المحظورات﴾ (الاشباہ والنظائر ص ۱۱۸) ضرورت ممنوع شے کو مباح قرار دیتی ہے اور اس کے ساتھ ایک دوسرا قاعدہ ہے۔﴿ماثبت بالضرورۃ فھو یتقدر بقدر الضرورۃ﴾ جو چیز ضرورت اور مجبوری کی بنا پر جائز ہوگی۔مثلاً ایک ضرورت مند بھوکے کے لیے مردار وغیرہ کھانا جائز ہے' لیکن اسی قدر جائز ہوگا جس سے اس کی ضرورت رفع ہو سکے۔اس لیے قرآن مجید میں غیر باغ ولا عادٍ کی قید لگائی گئی ہے۔

طلاق چونکہ مجبوری کے تحت جائز ہے اس لیے بقدرِ ضرورت ہی تسلیم کی جائے۔﴿ولا حاجۃ الی الجمع بین الثلاث﴾ تین کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں۔(ہدایہ' ج:۲' ص:۲۵۵)

پھر یہاں تو حظر وممانعت بھی دو آتشہ ہے۔طلاق فی نفسہ محظور اور ممنوع ہے اور تین طلاق کو جمع کرنا بھی ممنوع ہے۔اس لیے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿قال مالک انہ بدعۃ ولا یباح الا واحدۃ لان الاصل فی الطلاق ھو الحظر والاباحۃ لحاجۃ الخلاص وقد اندفعت بالواحدۃ﴾ (ہدایہ اولین' ج:۲' ص۳۵۴)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تین طلاق جمع کرنا بدعت ہے۔ایک ہی جائز قرار دی جائے گی کیونکہ نفس طلاق ہی دراصل ناپسند اور ممنوع ہے اور اباحت خاوند کی خلاصی کی ضرورت کے تحت ہے اور ضرورت ایک سے پوری ہوگئی ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں طلاق کا شرعی طریقہ بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے:

﴿تلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ﴾ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدّوں سے تجاوز کرے گا وہ خود اپنے اوپر ظلم ڈھائے گا۔(سورۃ طلاق:۱)

اور دوسری جگہ فرمایا:﴿لا تتخذوا ایات اللہ ھزوا﴾ کہ حدود اللہ سے تجاوز کر کے آیاتِ الٰہیہ کا تمسخر نہ اڑاؤ جب تین طلاق کا اکٹھا کرنا نصِ قرآنی کے خلاف ہے اور آیات کا مذاق اڑانا ہے تو اس کو ایک کی طرف لوٹا کر قرآنی حکم پر عمل کرنا چاہیے۔

قرآن شریف میں ﴿فقد ظلم نفسہ﴾ میں حدود الٰہی سے تجاوز کرنے والے کو گناہ گار قرار دیا گیا ہے۔ آیت کا یہ مفہوم نہیں کہ شوہر نے تین طلاق بیک وقت دے کر اپنے اوپر یہ ظلم کیا ہے۔یہاں سورۃ طلاق میں بھی فقد ظلم نفسہ کے الفاظ ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہاں اخروی نقصان یعنی عاقبت کی خرابی مراد ہے۔ورنہ یہاں مرد کا دنیوی نقصان تو نہیں ہوا' اس طرح سورۃ طلاق کی آیت میں دنیوی نقصان مراد لینا ہے کہ تین طلاق ایک بار دے کر اپنے آپ کو بیوی سے محروم کر کے اپنے اوپر ظلم کیا درست نہیں ہے۔

یہاں اگر دنیوی نقصان ہو تو عورت کا ہوا ہے کہ اس کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا ہے اور مرد ظلم کرنے کے لیے رجوع کر کے گنہگار بنا ہے۔لہٰذا جو انسان شریعت کے طریقہ سے عجلت کرتا ہے' تو اس کو اس کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔کیونکہ علماء کا مشہور مقولہ ہے جو کوئی حرام مقصد سے کوئی کام کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا مقصد پورا نہ ہونے دیا جائے۔عورت کو بیک وقت تین طلاق دینا اس کو ضرر پہنچانا ہے اور کسی کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔اس لیے اس مقصد کو پورا نہیں ہونے دینا چاہیے۔جیسا کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو میراث سے محروم کرنے کے لیے مرض الموت میں طلاق دے تو اس کی طلاق نافذ نہیں ہوگی۔

نیز ایک مشہور قاعدہ ہے لا ضرر ولا ضرار نہ نقصان پہنچانے کیلئے ابتداء کی جائے اور نہ بدلے میں نقصان پہنچایا جائے یا نہ خود اپنا نقصان کرے نہ دوسروں کو نقصان پہنچائے۔ایک ہی وقت میں تین طلاق کی اجازت دینا اولاد اور بیوی دونوں کو نقصان پہنچانے کی اجازت دینا ہے۔جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی بلکہ اس میں بسا اوقات صرف اولاد بیوی کا ہی نقصان نہیں اپنا نقصان بھی ہوتا ہے۔

۳۔ تین طلاق بیک وقت دینا ممنوع ہے اور ظاہر بات ہے شریعت صرف انہیں چیزوں سے منع کرتی ہے جو افراد اور معاشرہ کے لیے بگاڑ اور فساد کا باعث ہوں۔اس لیے منھی عنہ چیز کو نافذ کرنا گویا انسانی افراد ومعاشرہ میں بگاڑ اور فساد کو رواج دینا ہے۔اس لیے امام رازی فرماتے ہیں:

﴿النھی یدل علی اشتمال المنھی عنہ علی مفسدۃ راجحۃ والقول بالوقوع سعی فی ادخال المفسدۃ فی الوجود و انہ غیر جائز فوجب ان یحکم بعدم الوقوع﴾ (تفسیر' ج:۱' ص:۲۶۰)

ممانعت سے واضح ہوتا ہے کہ ممنوع چیز کوئی راجح مفسدہ رکھتی ہے اور وقوع کا قول اس مفسدہ کو وجود میں لانے کی کوشش کرنا ہے جو جائز نہیں۔اس لیے ضروری ہوا کہ عدم وقوع کا حکم لگایا جائے۔نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

﴿من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد﴾ (بخاری) ''جس نے ایسا کام کیا' جس کی شرعی طور پر اجازت نہیں وہ عمل مردود ہے۔''

۴۔ شریعت ایک وقت میں ایک ہی طلاق کی اجازت دیتی ہے۔اس طرح انسان ایک وقت میں ایک ہی طلاق دینے کا مالک اور مجاز ہے۔جب انسان ایک سے زائد طلاق دینے کا مالک ومجاز ہی نہیں تو اس کا نفاذ کیسے ہو سکتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

﴿لا طلاق لہ فیما لا یملک﴾ (ترمذی)

جس کا وہ مالک نہیں' اس کو طلاق نہیں دے سکتا۔

جب خاوند نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق' طلاق' طلاق تو

بیوی تو پہلی طلاق سے جدا ہوگئی اب دوسری' تیسری طلاق کا محل کہاں باقی ہے۔

طلاق کے لیے تو محل کی ضرورت ہے اور طلاق کا محل بیوی ہے جو پہلے لفظ طلاق سے نکاح سے نکل گئی ہے تو پھر اب دوسری یا تیسری طلاق کس کو دیتا ہے۔ نیز جب وہ ایک طلاق کا مالک ہے۔ دوسری' تیسری کا مالک ہی نہیں تو جو چیز اس کی ملکیت میں ہی نہیں' اس پر حق تصرف اسے کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں جس چیز کا انسان مالک نہیں' اس کی نذر نہیں مان سکتا اور جس غلام کا آقا نہیں' اس کو آزاد نہیں کرسکتا تو جو بیوی قید نکاح میں نہیں' اس کو کیسے آزاد کرسکتا ہے۔ ایک طلاق دینے کے بعد رجوع کرے تو دوسری طلاق دینے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ دوسری طلاق دینے کے بعد رجوع کرے تو تیسری طلاق کا مالک ہو جاتا ہے۔ جب تک رجوع نہ کرے تیسری طلاق کا مالک نہیں بن سکتا۔ جب تک مالک نہیں اس کو استعمال کیسے کرسکتا ہے۔

۵۔ ایقاع طلاق ایک فعل ہے اور وقوع فعل ایک وقت میں دو' تین بار ممکن نہیں۔ اس لیے اگر شوہر بیوی سے کہتا ہے تجھے تین طلاق تو اس طرح طلاق ایک ہی واقع ہوگی کیونکہ طلاق دینا ایک فعل ہے اور فعل ایک آن یا ایک وقت میں ایک ہی ہوسکتا ہے' ایک وقت میں دو تین دفعہ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ابوحیان لکھتے ہیں:

﴿مازال یختلج فی خاطری انه لو قال انت طالق مرتین او ثلاثا انه لا یقع الا واحدة لانه مصدر الطلاق ویقتضی العدد فلا بدان یکون الفعل الذی هو عامل فیه یتکرر وجودا کما تقول ضربت' ضربتین او ثلاث ضربات لان المصدر هو مبین لعددالفعل فمتی لم یتکرر وجودا استحال ان یتکرر مصدره ان یتبین رتب العدد فاذا قال انت طالق ثلاثا فهذا لفظ واحد و مدلوله واحد والواحد یستحیل ان یکون ثلاثا او اثنین﴾ (البحرالمحیط ج:۱' ص:۲۲۲' ۲۲۳ دارالفکر)

میرے دل میں یہ خیال آتا ہی رہتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے ﴿انت طالق مرتین او ثلاثا﴾ تجھے دو دفعہ یا تین دفعہ طلاق تو اس سے صرف ایک طلاق واقع ہونی چاہئے کیونکہ مرتین اور ثلاثا فعل طلاق کا مصدر (مفعول مطلق) ہے اور وقوع فعل کی تعداد کا متقاضی ہے اس لیے فعل جو اس میں عامل ہے اس کا بار بار وجود میں آنا ضروری ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں میں نے دو دفعہ مارا یا تین دفعہ مارا' چونکہ مصدر فعل کی تعداد کو یوں بیان کرتا ہے۔ اس لیے جب تک فعل بار بار وقوع پذیر نہیں ہو گا تو مصدر کا متعدد ہونا اور تعداد فعل بیان کرنا محال ہوگا۔ اس لیے جب خاوند کہتا ہے تجھے تین طلاق تو اس کا تلفظ ایک ہی دفعہ ہوا ہے۔ اس لیے اس کا مدلول بھی ایک ہوگا اور ایک کا تین یا دو ہونا محال ہے۔

۶۔ جب شوہر بیوی سے کہتا ہے تجھے طلاق' طلاق' طلاق یا تجھے تین طلاق تو خاوند یا تو اس بات کو جانتا ہوگا کہ بیک وقت تین طلاق دینا حرام اور ناجائز ہے یا اس کو اس بات کا علم نہیں ہوگا کہ تین دفعہ بیک وقت طلاق دینا حرام ہے کیونکہ اس کو طلاق دینے کے طریقہ کا ہی علم نہیں ہے کہ طلاق شرعاً کس طرح دی جاتی ہے۔ اس کے نزدیک جب تک تین دفعہ بیک وقت طلاق نہ دی جائے۔ طلاق ہوتی ہی نہیں۔

اگر پہلی صورت ہے کہ خاوند جانتا ہے' تین دفعہ بیک وقت طلاق دینا حرام ہے اور اگر میں نے تین طلاق اکٹھی دے دیں تو یہ طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ تو اس کے بارے میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے تین طلاقیں کس مقصد کے تحت بیک وقت دی ہیں۔ اگر اس کا مقصد درست ہو یا اس کی بیوی کا بھلا اس میں ہوا کہ اس کو حق رجعت سے محروم کیا جاسکتا ہے تو اس کو تعزیراً حق رجعت سے محروم کیا جاسکتا ہے لیکن اگر بیک وقت تین کے نفاذ میں اولاد یا بیوی کا نقصان ہے بلکہ شوہر کا بھی نقصان ہے تو طلاق ایک ہی نافذ کی جائے گی اور وہ گنہگار و مستوجب سزا ہوگا۔

میرے نزدیک صحابہ وائمہ میں سے جن جن حضرات سے دو قول منقول ہیں۔ اس کا پس منظر یہی ہے کہ وہ حالات کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو قول منقول ہیں۔ (اغاثۃ اللھفان ص ۱۵۷)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دو قول ہیں (عمدۃ الرعایۃ ج:۲' ص:۶۷) بعض جلیل القدر صحابہ' حضرت علی' عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن مسعود' عبدالرحمٰن بن عوف اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے دونوں قسم کے اقوال ملتے ہیں۔ یہی حال بعض کبار تابعین کا ہے۔

اگر دوسری صورت ہے کہ شوہر کو طلاق دینے کے شرعی طریقہ کا علم نہیں۔ اس کے نزدیک تین طلاق دیئے بغیر طلاق ہوتی ہی نہیں' تو اس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہونی چاہیے کیونکہ اس صورت میں تین کی صراحت غلط فہمی اور دھوکہ پر مبنی سمجھ کر ایک طلاق شمار ہوگی۔ فریب خوردہ کے ساتھ رعایت دین و دنیا کا تقاضا ہے۔ اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے **یسروا ولا تعسروا**۔ آسانی فراہم کرو تنگی مت ڈالو۔ قران مجید میں ہے:

﴿**یریداللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر**﴾

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا خواہاں ہے وہ تمہارے لیے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ ﴿**وما جعل علیکم فی الدین من حرج**﴾ اس نے تمہارے لیے دین میں تنگی نہیں رکھی۔ جب ایک انسان یہ سمجھتا ہے کہ طلاق تین دفعہ کہے بغیر ہوتی نہیں تو اس کی تین طلاق کو تین شمار کرنا انتہائی تنگی اور حرج والی بات ہے۔ فتح القدیر شرح ہدایہ' ج:۳' ص:۴۷ میں حضرت عمرؓ کے دور کا ایک واقعہ منقول ہے جس سے ثابت ہوتا ہے نادانی کی بناء پر دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا' میرا کوئی نام رکھ' اس نے اس کا نام ''طیبہ'' رکھا'

عورت نے کہا' ماقلت شیأ' یہ تو کوئی نام نہ ہوا۔ شوہر نے کہا تو ہی بتا تیرا نام کیا رکھوں؟ عورت نے کہا تو میرا نام ''خلیة طالق'' ہے تو شوہر نے کہا تو ''خلیة طالق'' ہے اس کے بعد عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی میرے خاوند نے مجھے طلاق دی ہے۔ اس کے بعد اس کا خاوند بھی پہنچ گیا اور پورا واقعہ سنایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کے سر پر مارا اور خاوند سے کہا اسے لے جاؤ اور اس کے سر پر مارو۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دھوکا سے کہلوائے گئے ''الفاظ'' طلاق کو جن کو طلاق بائن کے الفاظ قرار دیا جاتا ہے قبول نہیں کیا کیونکہ شوہر نے نادانی اور جہالت کی بناء پر وہ الفاظ کہہ دیئے تھے۔ اس کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی۔ اس طرح جب خاوند نادانی یا ناواقفیت کی بنا پر طلاق' طلاق' طلاق یا تین طلاق کے الفاظ کہتا ہے اور اس کا مقصد محض طلاق دینا یا بسا اوقات محض ڈرانا اور دھمکانا ہوتا ہے تو یہاں اس کی نیت کا لحاظ کیوں نہ رکھا جائے۔ جبکہ حدیث ﴿انما الاعمال بالنیات﴾ کا بھی یہی تقاضا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

کسی نے تین طلاق تین دفعہ کہا تجھ کو طلاق' طلاق' طلاق تو تینوں پڑ گئیں یا گول الفاظ میں تین مرتبہ کہا گیا تب بھی تین پڑ گئیں۔ لیکن اگر نیت ایک ہی طلاق کی ہے فقط مضبوطی کے لیے تین دفعہ کہا کہ بات خوب پکی ہو جائے تو ایک طلاق پڑے گی۔'' (بہشتی زیور' ج:۴' ص:۲۲)

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عوام کی اکثریت دین سے ناواقف ہے حتیٰ کہ بڑے بڑے پی ایچ ڈی بھی دینی مسائل واحکام سے آگاہ نہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ شرعاً طلاق دینے کا طریقہ کیا ہے' جس کا واضح ثبوت یہ ہے۔ کہ عام طور پر طلاق بیک وقت تین دفعہ دی جاتی ہے اور جب غصہ فرو ہوتا ہے' شوہر ٹھنڈے دل سے سوچتا ہے اور کسی عالم سے پوچھتا ہے اور اسے جواب ملتا ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں ہیں' تو وہ انتہائی نادم اور شرمسار و پریشان ہوتا ہے اور رجوع کے لیے حیلے بہانے اختیار کرتا ہے۔ اگر دین سے بالکل دور ہے تو بیوی کو بلا نکاح رکھنے سے عار محسوس نہیں کرتا۔ اسی طرح اس کو گھر رکھ لیتا ہے۔ کچھ دین دار ہے تو حلالہ ملعونہ کا سہارا لیتا ہے۔ جو ایک انتہائی بے غیرتی' بے شرمی کی دلیل ہے اور کسی شریف النفس سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اگر حلالہ ملعونہ کے لیے آمادہ نہ ہو تو اہل حدیث کے پاس بھاگ کر جاتا ہے اور یہاں بھی کام نہ بن سکے تو تمام عمر غم وحزن میں گزارتا ہے۔

دوسری طرف اولاد بے راہ رو ہو جاتی ہے اور بیوی کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا کیونکہ ہمارے معاشرے میں کوئی دوسرا انسان اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ بھی ساری عمر حسرت ویاس کا مجسمہ بن کر انتہائی عسرت وتنگدستی یا بے غیرتی اور ذلت ورسوائی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حالات ومصلحت کے تقاضا کے تحت تعزیر اور سیاستہ تین کو تین قرار دے سکتے ہیں' تو کیا آج حالات ومصلحت کے تقاضا کے تحت جس طرح علماء احناف نے تعلیم قرآن پر اجرت کو جائز قرار دے دیا ہے حالانکہ ان کے مسلک کی رو سے یہ جائز نہیں۔ عرف کی تبدیلی کی بناء پر ایسا کیا گیا ہے تو کیا تین طلاق کو ایک قرار دینے کی ضرورت واہمیت اس سے زیادہ نہیں ہے۔

۷۔ طلاق ثلاثہ کا بیک وقت ایقاع جب منہی عنہ ہے اور نہی فساد کا تقاضا کرتی ہے تو اس کو محرمات کے ایقاع کی طرح کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیا کوئی انسان اگر اپنی محرمات سے نکاح کر لے تو اس کو صحیح قبول کر لیا جائے گا اور صرف اتنا کہا جائے گا کہ یہ فعل گناہ تو ہے لیکن نکاح ہو گیا ہے یا کوئی عمداً پانچ رکعات پڑھ لے تو نماز درست ہو گی اور نمازی کو محض گنہگار کہنے پر کفایت کی جائے گی۔ ایک حرام چیز' زنا' قتل ناحق' سرقہ ہر صورت میں گناہ ہے۔

شریعت ان کے وقوع کو تسلیم کر کے ان پر حد مقرر کرتی ہے اور شرعاً جواز کا ان کے حق میں فیصلہ نہیں کرتی۔ تین طلاق کو تسلیم کرنا تو اسکو شرعی جواز عنایت کرتا ہے کیونکہ طلاق ایک دینی اور شرعی ضرورت ہے۔ جس کی شریعت ضرورت کی بناء پر اجازت دیتی ہے۔ اس لیے ایک شرعی چیز اس وقت تسلیم ہو سکتی ہے جب شریعت کی حدود وشرائط کے مطابق ہو' اس کو شرعاً تسلیم کر کے لوگوں کو خلاف شریعت کام کرنے کی جرات دلانا اور قرآنی نصوص کے استہزاء کی رخصت دینا ہے اور من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا کے مفہوم کو تبدیل کرنا ہے جس کا مقصد یہ ہے اگر وہ حدود الٰہی کی پابندی کرے گا تو وہ گناہ وعصیاں اور آخرت کی سزا سے بچ جائے گا اور دینوی نقصانات ومضار پر اس کو صبر وتسلیم کی توفیق ارزاں ہو گی اور مناسب وقت پر اس کی پریشانیاں دور بھی ہو جائیں گی۔ شریعت کی پابندی کرے گا تو اس کی مناسب طریقہ کے مطابق بیوی سے گلو خلاصی ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ وقت سے پہلے یا غلط طریقے سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کو چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکے گا۔

۸۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک ہوں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ﴿کان الطلاق علی عهد رسول الله وابی بکر و سنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم﴾ (مسلم کتاب الطلاق)

طلاق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کی خلافت کے پہلے دو سال میں تین طلاق ایک شمار کی جاتی تھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے جس کام

میں لوگوں کو غور وفکر کی مہلت دی گئی تھی' اس میں انہوں نے جلد بازی سے کام لینا شروع کر دیا ہے' ہمیں ان تینوں کو نافذ کر دینا چاہئے تو آپ نے ان کو جاری کر دیا۔

اس حدیث سے یہ بات صراحت کے ساتھ کھل جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں تین طلاقیں جو اکٹھی دی گئی ہوں' ایک ہی تصور کی جاتی تھیں۔ لیکن اس دور میں طلاق دینے کے واقعات قلیل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب فتوحات کا دروازہ کھلا اور بکثرت لونڈیاں حسین وجمیل شکل وصورت کی حامل آنے لگیں اور غیر مسلم اقوام حلقہ بگوش اسلام ہوئیں اور ان کی رغبت لونڈیوں کی طرف بڑھ گئی تو طلاق کے واقعات کثرت سے پیش آنے لگے' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ لوگ کثرت سے خلاف شریعت طلاق دینے لگے ہیں تو انہوں نے تینوں کو نافذ کر دیا جس کی چند وجوہ تھیں

(الف) یہ ایک سیاسی تدبیر تھی' جس کا مقصد انہیں قرآن کی ہدایت کی طرف لوٹانا تھا۔ مجمع الانہر' ص:۲۸۳)

﴿اعلم ان فی الصدر الاول اذا ارسل الثلاث جملة لم یحکم الا بوقوع واحدة الی زمن عمر ثم حکم بقوله الثلاثة تهدیدا بکثرة بین الناس﴾ صدر اول میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک تین طلاق کو ایک واقع کیا جاتا تھا' پھر جب لوگ کثرت سے اس طرح طلاق دینے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تہدید اور سرزنش کے طور پر تینوں کو جاری کر دیا۔

طحطاوی یہی عبارت نقل کرتے ہیں لیکن وہاں تهدیداً کی بجائے سیاسةً کے الفاظ ہیں۔ (حاشیہ درمختار' ج:۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کام ایک انتظامی تدبیر و سیاست کے تحت کیا تھا۔ اس لیے وہ ایسے لوگوں پر دُرّے بھی برساتے تھے۔

(ب) یہ کام حضرت عمر نے عبرت ونصیحت اور سبق آموزی کے لیے کیا کہ جو لوگ شرعی طریقہ کی مخالفت کرتے ہیں' انہیں یہ سزا دی کہ جس طرح انہوں نے اللہ کی دی ہوئی رخصت کو ٹھکرا دیا ہے اور غلط طریقہ سے طلاق دینے لگے ہیں اسی طرح ان کو ان کے حق رجعت سے فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا جائے تاکہ دوسرے لوگوں کے لیے عبرت ہو اور وہ شرعی طریقہ کی طرف رجوع کریں۔

(ج) یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا امت کے مصالح کے تحت اجتہاد تھا اور مصالح بدلتے رہتے ہیں اس لیے جب اس حکم سے منشا اور غرض پوری نہ ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کے اجرا و نفاذ پر ندامت کا اظہار کیا اور خواہش کی اے کاش میں اس طریقہ سے طلاق دینے کو حرام ٹھہرا دیتا۔ (اغاثة اللهفان ج:۱' ص:۳۰۲)

جب یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مصلحت کے تحت کیا تو مصلحت کے بدلنے سے وہ حکم بھی تبدیل ہو گیا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا اسی میں ہے کہ اس کو اصل حکم کی طرف لوٹا دیا جائے کیونکہ تعزیری وسیاسی احکام عارضی ہوتے ہیں۔ غیر متبدل نہیں ہوتے اور اسی مصلحت کی تبدیلی کی بناء پر بعض کبار صحابہ رضوان اللہ اجمعین سے دونوں قول منقول ہیں بلکہ بعض ائمہ سے بھی دو قول منقول ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت ہے ﴿طلق رکانة بن یزید اخو بنی مطلب امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیها حزنا شدیداً قال فساله رسول الله صلی الله علیه وسلم کیف طلقتها؟ قال طلقتها ثلاثا قال فی مجلس واحد؟ قال نعم! قال فانما تلک واحدة فارجعها ان شئت قال فراجعها﴾ (مسند احمد: ج۱' ص:۲۶۵)

ابو یعلیٰ' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ سبل السلام' ص:۱۷۴' ج:۳)

کہ ایک مطلبی رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک سانس میں تین طلاقیں دے دیں' پھر اس پر اسے بہت غم وحزن لاحق ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تو نے کیسے طلاق دی' اس نے جواب دیا میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ایک مجلس میں۔ اس نے جواب دیا جی ہاں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک طلاق ہوئی ہے۔ تم اگر چاہو تو رجوع کر لو اس پر اس نے رجوع کر لیا۔

ابو یعلیٰ' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (سبل السلام ج۳' ص۱۷۴)

حافظ ابن حجر یہ حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ﴿هذا الحدیث نص فی المسئلة لا یقبل التاویل﴾ یہ حدیث اس مسئلہ میں صریح ہے اور اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ (فتح الباری' ج:۹' ص:۲۹۷)

قرآن مجید میں مطلقہ عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے ﴿والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء﴾

طلاق دی گئی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں پھر فرمایا اس مدت میں خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آج جبکہ لوگ علم وعمل دونوں اعتبار سے دین سے دور چلے گئے ہیں' ذہنی اضطرابات پریشانیاں عام ہوگئی ہیں' صبر وتحمل اور بردباری عنقا ہوگئی ہے' غصہ واشتعال کا دور دورہ ہے' معمولی معمولی رنجشوں پر طلاقوں کی بھرمار ہوگئی ہے۔ جذبات کی رو میں بہہ کر ناواقفیت کی بناء پر بیک دفعہ تین طلاق کو ہی طلاق سمجھ کر تین طلاقیں اکٹھی دے دی جاتی ہیں' پھر جب غصہ فرو ہوتا ہے' جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں' انسان ہوش میں آتا ہے تو مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پھر جب مفتی صاحب کہہ دیتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ہوگئیں' پھر رجوع کے لیے حیلے بہانے تلاش کیے جاتے ہیں۔ خاندانوں میں اختلاف بڑھ جاتے ہیں۔ اولاد کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ عورت کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے بلکہ خاوند بھی ہوش وحواس گم کر بیٹھتا ہے تو کیا یہ بات بہتر نہیں کہ تین طلاقوں کے مسئلہ کو صدر اول کے حل کے مطابق حل کیا جائے اور معاشرہ کو بیک وقت تین طلاقوں کے وقوع کے نقصانات سے محفوظ کر دیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الحدیث ابوانس محمد یحیٰی گوندلوی
شارح جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ

ایک مجلس میں تین طلاقیں

ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں شائع ہونے والے ایک فتویٰ [illegible] کا علمی جائزہ

استفتاء وفتویٰ کی تاریخ انتہائی پرانی ہے اور اس کی نسبت بھی بہت مبارک ہے۔ جہاں یہ عمل خدمت خلق ہے اس سے کہیں بڑھ کر ادائے رسالت نبوی ﷺ اور تبلیغ دینِ حنیف ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ عمل "من سئل عن علم فکتمه ......اور اجرؤ کم علی الفتیا اجرؤ کم علی النار" کی دودھاری تلوار کے زیر سایہ بھی ہے۔ اسی لیے حضرات فقہاء کرام انتہائی محتاط تھے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ﴿لا یحل لاحد ان یاخذ بقول مالم یعلم من این قلته ونهی عن التقلید﴾ (عمدہ الرعایہ) اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ﴿لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا مالم یعلم من این قلناه﴾ (ایقاظ) بغیر دلیل شرعی کسی کے قول کو بنیاد بنا کر فتویٰ دینا حرام ہے۔ کیونکہ فتویٰ دین کی ترجمانی ہے اور اس بارہ میں کوتاہی برتنا ﴿ومن اظلم من افتری علی الله کذبا......الایہ﴾ (ومن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار) جیسی وعید کا مستحق بنتا ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

زیرِ تبصرہ فتویٰ میں صاحبِ فتویٰ شاید ان سب حقائق سے لاعلم ہیں، تبھی تو تحریر میں کئی بے بنیاد دعوؤں کے لانے مارے ہیں اور احادیث نقل کرنے میں انتہائی کذب بیانی، دروغ گوئی، افتراء پردازی اور وضع ودجل سے کام لیا ہے۔

صریح لکھ دیا ہے کہ "دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ، حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تم ان سے نکاح نہیں کر سکتے......الخ (صفحہ: ۲۵)

مگر اتنے بے توفیق اور بے ہمت ہوئے کہ بیان کردہ حوالہ تک نہ دے سکے اور نہ ہی ایک بھی صحیح حدیث اس دعویٰ پر پیش کر سکے۔ حتیٰ کہ دعویٰ سے غیر متعلق جو احادیث پیش کی ہیں، کسی میں ایک لفظ تک ایسے معنی کیلئے موجود نہیں ہے اور بعض دیگر صحابہ کرام کی طرف اس کی نسبت محض سفید جھوٹ ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ڈھٹائی!! کیا خوب!!!!!!

پیش کردہ احادیث سے متعلق اگر علمائے احناف (احکام القرآن للجصاص، حاشیہ صحیح بخاری علامہ سہارنپوری، شرح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ) کی صراحت پڑھ لیتے تو شاید ایسے بے بنیاد دعویٰ کرتے ہوئے کچھ شرماتے۔ اپنے حنفی مذہب کا بنظرِ غائر مطالعہ کرتے تو (طلاقِ بدعی) کہتے ہوئے یہ احادیث منطبق نہ کرتے۔ کیا صحیح احادیث سے ثابت چیز کو ہی بدعت کہتے ہیں......؟ یا پھر یہ مذہب ہی "خرد کا نام جنوں......جنوں کا نام خرد" کے مترادف ہے۔ لیکن یہ تعجب اس وقت ختم ہو جاتا ہے، جب تقلید کے گھٹاٹوپ اندھیرے کا خیال آتا ہے کہ مقلد ہی کیوں کہلاتا اگر علم حدیث ہوتا یا عقل وبصیرت سے کام لیتا۔ پھر بھی چاہئے تو یہ تھا فریضہ تقلید کے پیشِ نظر صرف اپنے آئمہ کے اقوال قال فلان وقال فلان پر اکتفا کرتے۔ علم حدیث کے متعلق اور مسلک محدثین پر زبان نہ کھولتے۔ اخسأ فلن تعدو قدرک اپنی اوقات سے آگے نہ بڑھتے۔ اس لیے کہ طبقات احناف کی تقسیم کا یہی تقاضا ہے مگر!!!

زیرِ نظر فتویٰ کا تفصیلی جائزہ فاضل مضمون نگار فضیلۃ الشیخ، شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا محمد یحیٰی صاحب گوندلوی حفظہ اللہ نے لیا ہے۔ جو کہ انتہائی وقیع، قابل قدر اور عام فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے اور لوگوں کے لیے نافع بنائے۔ آمین۔

(ادارہ)

اس بات پر تمام امت کا اتفاق رہا ہے کہ کتاب وسنت کو ہر امر میں فوقیت حاصل ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں کتاب و سنت کی نصوص صریحہ موجود ہوں تو انہیں کسی امتی کے فتوے یا اجتہاد سے رد نہیں کیا جا سکتا لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جب مسلمانوں کا تمسک کتاب وسنت سے کمزور پڑتا گیا تو نصوص صریحہ کے مقابلہ میں آراء الرجال کو فوقیت دینے کی کوشش کی گئی جو اب تک جاری ہے اور بڑے بڑے مفتیان حضرات نے آراء الرجال کے سامنے سرِ خم تسلیم کر لیا اسی طرح کی صورت حال "ایک مجلس میں تین طلاقیں" کے مسئلہ میں درپیش ہے اس مسئلہ میں بھی کتاب وسنت کو پس پشت ڈال کر آراء الرجال کو واجب التسلیم مانا گیا۔

قرآن پاک نے اولاً رجعی طلاق کا ذکر کیا ہے اور آخر میں الگ اور جدا طلاق مغلظہ کا ذکر کیا اسی طرح صحیح حدیث میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کر کے طلاق دینے والے کو رجوع کا حق دیا ہے اور یہی وہ موقف تھا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک اور عہد صدیقی میں اپنایا جاتا تھا اور اس بارہ میں کوئی اختلاف بھی معلوم نہیں ہوا ہاں عہد فاروقی کے تیسرے سال میں ایک تعزیری مصلحت کے تحت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے قد استعجلوا فی امر قد کانت لهم فیه اناة فرما کر تینوں کو تین قرار دیا۔ ظاہر ہے یہ ایک عارضی حکم تھا جسے بعد کے فقہاء حضرات نے مستقل شریعت کا درجہ دے دیا حالانکہ شریعت اس حکم سے بہت پہلے پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تھی جسے کسی بھی طریقہ سے منسوخ تصور نہیں کیا جا سکتا اسی کے مقلدین میں سے اکثر حضرات قائل ہیں کہ ایک مجلس کی تین کو تین مانا جائے گا۔ لیکن چونکہ یہ موقف دلائل کے لحاظ سے کمزور ہے اس لئے ہر دور میں مقلدین نے اس مسئلہ میں تعصب کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے صحیح موقف پر جرح قدح کی ہے اسی سلسلہ کی کڑی مفتی محمد اسماعیل طورو صاحب کا ایک مفصل

فتوی ہے جو ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں شائع ہوا ہے فتوی کیا ہے؟ حقائق کا مسخ ہے اور علم حدیث میں نادانی کا بین ثبوت۔ کسی صاحب نے راولپنڈی سے مفتی صاحب سے دریافت کیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیتا ہے تو آیا اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے یا تین؟ اگر کوئی آدمی تین طلاقیں دے کر اپنی بیوی کو رکھے تو علاقے والوں کا کیا فریضہ بنتا ہے؟ تو اس کے جواب میں موصوف مفتی صاحب نے فرمایا اگر ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے خواہ بیک وقت تین دی ہوں یا الگ الگ۔ یہی ائمہ اربعہ و ائمہ حرمین وامام بخاری اور جمہور کا مذہب ہے (ص ۲۴)

بلاشبہ جمہور کا یہی مذہب ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہیں ائمہ اربعہ میں سے امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ سے اس بارہ میں دو دو قول منقول ہیں ایک تو وہی قول ہے جسے مفتی صاحب نے نقل کیا ہے اور دوسرا یہ قول ہے کہ ایک ہی پڑے گی (اغاثۃ اللہفان وعمدۃ الرعایہ ص ۱۷ ج ۲ واحکام طلاق ص ۶۴)

اگر بالفرض چاروں ائمہ کرام کا یہی قول ہو تو کیا ائمہ اربعہ کے قول سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تبدیل ہو جائے گا اور قرآن وسنت کی بجائے ائمہ اربعہ کا قول حق ہو گا.....؟ حالانکہ یہ کوئی اصول نہیں کیونکہ حق ائمہ اربعہ کے تابع نہیں ہے اور نہ ہی حق ائمہ اربعہ کے اقوال کے اندر منحصر ہے حق تو ائمہ اربعہ کے وجود سے بہت پہلے مکمل ہو چکا تھا جو اب بھی اپنی اصلی صورت میں قائم ہے لہذا کسی مسئلہ میں ائمہ اربعہ کے قول کو حق ٹھہرانا جبکہ کتاب وسنت کی نصوص کے خلاف ہو تو بلاشبہ ان کے قول کو شریعت کا درجہ دینا ہے جس کا اللہ تعالی نے حکم نہیں دیا۔

اہل حدیث اور شیعہ

اہل حدیث پر طعن کا یہ انوکھا انداز ہے کہ مقلدین جب اہلحدیث کے مقابلہ میں دلائل سے عاجز آجاتے ہیں تو پھر انہیں کبھی خوارج کے ساتھ۔ کبھی معتزلہ کے ساتھ کبھی شیعہ کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ انہیں بھی معلوم ہے کہ ان گمراہ فرقوں کے خلاف سب سے بڑا علمی جہاد اور کتاب وسنت کا دفاع اہلحدیث نے ہی کیا ہے مفتی صاحب اور ان سے پہلے بھی بعض احباب دیوبند نے یہ نالائق حرکت کی ہے کہ اہل حدیث کو شیعہ کے ساتھ ملا دیا چنانچہ فرماتے ہیں" شیعہ اور غیر مقلدین حضرات کے نزدیک اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔" (ص ۲۴)

اولاً: مجھے معلوم نہیں کہ مفتی صاحب کا اس بارہ میں مبلغ علم کیا ہے البتہ اس مسئلہ میں شیعہ حضرات کا جو موقف ہے موصوف اس سے نابلد معلوم ہوتے ہیں شیعہ کے اس مسئلہ میں تین موقف ہیں (۱) "طلاق سنت ایک مجلس کی تین ایک ہے" (۲) "غیر سنت طلاق سرے سے واقع نہیں ہوتی" (۳) "طہر میں دی گئیں ایک مجلس میں تین طلاق سے بیوی بائنہ ہو جاتی ہے۔ (الاستبصار ص ۲۸۹ تا ۲۹۰ ج ۳)

ان تینوں صورتوں میں پہلی صورت میں وہ اہلحدیث کے قریب ہیں اگرچہ اس میں بھی دونوں فریقوں کا فروعات میں اختلاف ہے اور تیسری صورت میں ان کا مقلدین کے ساتھ اتفاق ہے۔ اگر ایک فریق کسی مسئلہ میں میں دوسرے فریق سے موافقت رکھتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں فریق ایک جیسے ہیں

ثانیاً: اگر کسی مسئلہ میں دلائل کے لحاظ سے شیعہ حضرات اہل حدیث سے اتفاق رکھتے ہیں تو کیا ان دلائل کو محض اس لئے رد کر دیا جائے گا کہ چونکہ شیعہ کا ان پر عمل ہے لہذا قابل قبول نہیں ہم کہتے ہیں شیعہ کا اہل حدیث سے اتنا اتفاق نہیں جتنا شیعہ اور موجودہ احناف کا آپس میں اتفاق ہے توحید کے اکثر مسائل میں اہل حدیث اور شیعہ مختلف ہیں جبکہ شیعہ اور ماتریدیہ حنفیہ کا اکثر مسائل میں اتفاق ہے عقائد میں تو احناف دوسروں کے ہی مرہون منت ہیں اصول فقہ کی حالت بھی چنداں مختلف نہیں بہت سے معتزلہ اور شیعہ فروع میں حنفی ہیں (منہاج السنۃ۔ الرفع والتکمیل) اس لئے شیعہ کے ساتھ اہلحدیث کو ملا کر پھر انہیں مورد الزام ٹھہرانا کوئی معقول بات نہیں مفتی صاحب کو حنفیت کی حقیقت پر نظر رکھنی چاہئے۔ کہ یہ فقہ کن کن اقوال کا مجموعہ ہے۔

قرآن اور طلاق ثلاثہ

موصوف نے اپنے موقف میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں ﴿فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره﴾ اس پر قمطراز ہیں شریعت نے مرد کو زیادہ سے زیادہ تین طلاقوں کا حق دیا ہے جب اس نے گنتی پوری کر لی تو اب اسے رجوع کا حق نہیں (ص ۲۴)

ہم بھی کہتے ہیں مرد کو صرف تین طلاقوں کا حق ہے جب شرعاً تین ہو گئیں تو اب خاوند کو رجوع کا حق نہیں اختلاف تین کے پورا ہونے کا نہیں بلکہ تین کی کیفیت پر ہے کہ وہ تین کیسے ہوتی ہیں احناف کا جو یہ موقف ہے کہ ایک مجلس کی تین تین طلاقیں ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں پھر موصوف نے جو آیت کریمہ پیش کی ہے اس میں بھی یہ نہیں کہ وہ اکٹھی تین دے دے بلکہ اس سے پہلے اللہ تعالی نے طلاق رجعی کا ذکر کیا ہے جیسا کہ فرمایا ﴿وبعولتهن احق بردهن في ذلك﴾ کہ خاوند کو رجوع کا زیادہ حق ہے جس سے واضح ہے کہ قرآن کریم نے رجعی طلاق کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ﴿فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة﴾ (الطلاق: ۱)

کہ تم ان کو عدت پر طلاق دو اور عدت شمار کرتے رہو جس سے واضح ہے کہ قرآن نے اکٹھی تینوں کا ذکر نہیں کیا اگر اکٹھی تین تین ہوتیں تو پھر نہ رجوع کا حق رہتا ہے اور نہ خاوند عدت شمار کر سکتا ہے کیونکہ وہ عورت اس کے حبالہ عقد سے نکل کر اس کے لئے اجنبی ہو چکی ہے جبکہ مذکورہ آیات میں خاوند کو عدت شمار کرنے کا اور رجوع کا اختیار ہے یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے